احکامِ بیع

معاہدۂ بیع: ارکان، شرائط اور احکام

طاہر منصوری

مبیع کی شرائط

مبیع کے شرعاً قابلِ فروخت ہونے کے لیے حسب ذیل شرائط ہیں:

پہلی شرط: مبیع کا مال ہونا

مبیع کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ مال ہو، کیونکہ ''بیع'' مال کے ساتھ مال کے تبادلے کا نام ہے۔

- آزاد انسان کی فروخت

آزاد انسان کی فروخت منعقد نہیں ہوتی، کیونکہ وہ مال نہیں۔ یہی صورت ام ولد کی ہے، کیونکہ وہ ایک طرح سے آزاد عورت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کے بچے نے اسے آزاد کر دیا۔'' مزید فرمایا: ''اسے نہ بیچا جائے اور نہ ہبہ کیا جائے۔ وہ اس کے مال کے ایک تہائی میں سے آزاد شدہ ہے''۔ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ولد کی بیع کی مطلقاً ممانعت فرما دی اور اسے آزاد انسان کی حیثیت دے دی۔ (بدائع الصنائع ۵:۱۴۰)

- مردار اور خون کی بیع

مردار اور خون کی بیع بھی جائز نہیں، کیوں کہ وہ مال نہیں ہے۔ مجوسی، مرتد اور مشرک کے ذبیحے کو بھی فروخت کرنا جائز نہیں، کیوں کہ وہ مردار ہے۔ اسی طرح ہمارے نزدیک جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ دینے والے کا ذبیحہ بھی حرام ہے، البتہ امام شافعیؒ کی رائے اس کے برعکس ہے۔ یہی حکم پاگل اور ناسمجھ بچے کے ذبیحے کا ہے، کیونکہ یہ ذبیحہ بھی مردار کے حکم میں ہے۔ (بدائع الصنائع ۵:۱۴۱)

☆ الاجتہاد لا ینقض بالاجتہاد ☆ اجتہاد اجتہاد کے ساتھ باطل نہیں ہوگا ☆

● درندوں کے گوشت اور کھال کی فروخت

چیر پھاڑ کر کھانے والے جانوروں کا گوشت فروخت کرنا جائز نہیں، کیوں کہ شرعاً ان سے فائدہ اٹھانا حلال نہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ پھاڑ کر کھانے والے جانور کی فروخت درست ہے، بشرطیکہ اسے ذبح کرلیا جائے۔ ذبح کرنے سے وہ پاک ہوگیا۔

درندے، گدھے اور خچر کی کھال کی اگر شرعی طور پر دباغت کردی جائے، یا انہیں شرعی طور پر ذبح کیا گیا ہو تو ان کی بیع درست ہے، کیونکہ شرعاً وہ مال ہیں، ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، لیکن اگر کھال رنگی ہوئی نہ ہو اور نہ جانور کو ذبح ہی کیا گیا ہو تو بیع درست نہ ہوگی۔ اگر جانور کو ذبح کر لیا گیا، مگر کھال کی دباغت نہ ہوسکی تو مردار کی رطوبتیں اس میں باقی رہیں گی، اسی بناء پر اس کا حکم مردار کا ہوگا۔ خنزیر کی کھال کی بیع کسی طرح بھی منعقد نہیں ہوتی، کیونکہ وہ اپنے تمام اعضاء واجزاء سمیت نجس العین ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی کھال کو رنگنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔

● مردار کی ہڈیاں اور بال

رہی مردار کی ہڈیاں، اس کے پٹھے، اس کے بال، اس کی اون، اس کا ریشم، اس کے پاؤں کا چمڑا، اس کے کھر اور ناخن، تو ان چیزوں کو فروخت کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، کیونکہ یہ چیزیں ہمارے نزدیک پاک ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک ان کی فروخت جائز نہیں، کیونکہ وہ انہیں نجس سمجھتے ہیں۔

خنزیر کی ہڈیاں اور اس کے پٹھے فروخت کرنا جائز نہیں، کیوں کہ خنزیر نجس العین ہے۔ اس کے بالوں کے بارے میں ایک قول ہے کہ وہ پاک ہیں اور ان کی بیع جائز ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ نجس ہیں، ان کی بیع درست نہیں، کیونکہ وہ نجس العین خنزیر کا جزء ہیں، البتہ موچیوں کی ضرورت کے پیش نظر (جوتوں کی سلائی کے لیے) اس کی اجازت دی گئی ہے۔

(بدائع الصنائع ۵:۲۴۱)

● درندوں اور کتے کی خرید وفروخت

پنجوں اور ناخنوں والے پرندوں کو فروخت کرنا بغیر کسی اختلاف کے جائز ہے، خواہ وہ

سدھائے ہوئے ہوں، یا سدھائے ہوئے نہ ہوں۔ کچلیوں والے درندوں، ماسوا خنزیر کے، جیسے کتا، چیتا، شیر، تیندوا، بھیڑیا اور بلی وغیرہ کی فروخت ہمارے ائمہ کے نزدیک جائز ہے، البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں۔ امام محمد بن حسن شیبانی کی مشہور کتاب الأصل میں مذکور روایت کی رو سے ہمارے نزدیک ان کے تربیت یافتہ ہونے یا غیر تربیت یافتہ ہونے میں بھی کوئی فرق نہیں، لہٰذا وہ سدھائے ہوئے ہوں، یا نہ ہوں، ان کی خرید وفروخت جائز ہے، البتہ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ کاٹنے والے کتے کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

امام شافعیؒ کے موقف کی دلیل نبی علیہ السلام ﷺ کی یہ حدیث ہے: ''زنا کا معاوضہ اور کتے کی قیمت حرام کمائی ہیں''۔ اگر کتے کو فروخت کرنا جائز ہوتا تو آپ اس کی قیمت کو حرام قرار نہ دیتے، نیز نجس العین ہے، لہٰذا خنزیر کی طرح اس کی فروخت بھی جائز نہیں، تاہم چوکیداری اور شکار کی غرض سے اسے رکھنا یعنی بوجہ ضرورت اس سے فائدہ اٹھانا جائز قرار دیا گیا ہے، مگر یہ بات اس کی فروخت کے جواز کے لیے کافی نہیں، کیونکہ خنزیر کے بالوں کا یہی حکم ہے (حالانکہ خود خنزیر کی خرید وفروحت حرام ہے، کیونکہ وہ نجس العین ہے)۔ اس کے برعکس ہمارا استدلال یہ ہے کہ کتا مال ہے۔ اس بناء پر اسے شاہین اور باز کی طرح فروخت کرنا جائز ہے اور اس بات کی دلیل کہ وہ مال ہے، یہ حقیقت ہے کہ اس سے شرعاً فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ چوکیداری اور شکار کی غرض سے مطلقاً اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ محل بیع بن سکتا ہے، اور جب بیع ایسی اشیاء سے متعلق ہو جو حقیقتاً قابل انتفاع ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا جائز ومشروع ہونا ضروری ہے، کیونکہ ان کی مشروعیت وجواز ہی کی بناء پر انسان انہیں اپنے لیے مخصوص کر سکتا ہے تا کہ کسی ممکنہ جھگڑے کا خاتمہ ہو۔ اور یہ مقصد انہی چیزوں میں حاصل ہو سکتا ہے جن سے شرعاً علی الاطلاق نفع حاصل کرنا جائز ہو، نہ کہ ایسی چیزوں میں جن سے نفع اٹھانا جائز نہ ہو۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں کتوں کی بیع کی ممانعت ہے، اس کے بارے میں احتمال یہ ہے کہ یہ واقعہ ابتدائے اسلام کا ہو۔ اس وقت لوگ کتے پالنے کے عادی تھے، اور اس عادت پر ان کی سرزنش کے طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو مارنے کا حکم دیا، نیز ان کی بیع کی ممانعت فرمائی۔ (بدائع الصنائع ۵: ۱۴۲-۱۴۳)

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

● انسانی بالوں کی فروخت

انسانی بالوں کو فروخت کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا بھی درست نہیں۔ امام محمدؒ کے نزدیک ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ان کا استدلال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج کے موقع پر اپنا سر منڈوایا تو اپنے بال صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرمائے۔ اگر بال نجس ہوتے تو آپ ایسا نہ کرتے، کیونکہ نجس چیز سے برکت حاصل نہیں کی جاسکتی۔

اوّل الذکر قول کی بنیاد یہ ہے کہ انسان محترم ومکرم مخلوق ہے،اس کی تحقیر وتوہین روا نہیں۔ اس بناء پر اس کے اعضاء واجزاء کی اہانت وتحقیر بھی جائز نہیں، جب کہ اس کی فروخت اور اس سے فائدہ اٹھانے کا مطلب اس کی تحقیر کرنا ہے۔اس موقف کی تائید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واصلہ (بال پیوند کرنے والی) اور مستوصلہ (بال پیوند کرانے والی) پر لعنت کی ہے۔ پیوند کرانے اور جوڑنے کی اجازت صرف اس حد تک ہے کہ عورتیں بالوں کی افزائش کی غرض سے اون کے بال اپنی چوٹیوں اور زلفوں میں پیوند کریں۔ (فتح القدیر ۶:۶۳)

● عورت کے دودھ کی فروخت

کسی عورت سے برتن میں حاصل شدہ دودھ کی فروخت جائز نہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی فروخت جائز ہے، کیونکہ وہ پاک مشروب ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ دودھ آدمی کا جزء ہے اور انسان اپنے تمام اعضاء سمیت قابل احترام ہے اور اس کی خرید وفروخت کرنا اس کی اہانت کے مترادف ہے۔ (الھدایہ مع شرح فتح القدیر ۶:۶۱)

عورت کے دودھ کی بیع ہمارے (شافعیہ کے) نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔ یہی ہمارا مسلک ہے۔ ماوردی، شاشی اور رویانی کے علاوہ سب اصحابِ شافعی اسی نقطۂ نظر کے قائل ہیں۔ حرمت کے قائل ہمارے اصحاب کا موقف یہ ہے کہ وہ نجس ہے، لہٰذا اس کی فروخت درست نہیں، لیکن چونکہ بچے کی نشو ونما کے لیے دودھ ضروری ہے، لہٰذا اس مخصوص ضرورت کے پیش نظر اس کی اجازت دی گئی ہے۔ [ہماری نگاہ میں] یہ ایک غلط استدلال ہے۔ درست بات یہ ہے کہ اس کی فروخت جائز ہے۔ ابو حنیفہؒ اور مالکؒ کے نزدیک اس کی فروخت درست نہیں۔ عدم جواز

کے قائل حضرات کا استدلال یہ ہے کہ عام طور پر اس کی فروخت نہیں ہوتی، پھر یہ کہ وہ آدمی کے فضلے کی مانند ہے جیسے آنسو، پسینہ اور بلغم جنہیں بیچا نہیں جاتا، نیز جو چیز متصلاً نہیں بیچی جاسکتی، اسے علیحدہ بھی نہیں بیچا جاسکتا، جیسے انسان کے بال۔

مزید براں جس جانور کا گوشت کھانا جائز نہیں، اس کے دودھ کی فروخت بھی جائز نہیں ہے، جیسے گدھی کا دودھ۔ ہمارے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ وہ پاکیزہ اور نفع مند ہے، لہٰذا اس کی بیع بکری کے دودھ کی طرح جائز ہے۔ روٹی کی طرح وہ بھی انسان کی غذا ہے۔ چنانچہ جس طرح روٹی کی فروخت جائز ہے، اسی طرح دودھ کی فروخت بھی جائز ہے۔

(المجموع شرح المهذب ۹:۲۵۴)

● آلات موسیقی کی فروخت

موسیقی کے آلات، مثلاً بربط، طبلہ، بانسری، دف وغیرہ کا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیچنا جائز ہے، تاہم ایسا کرنا مکروہ ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ان کی بیع منعقد نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ آلات تفریح اور فسق و فجور کے لیے بنائے جاتے ہیں، لہٰذا یہ مال نہیں ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ آلات موسیقی سے از روئے شرع ایک اور پہلو سے استفادہ ممکن ہے، وہ اس طرح ہے کہ ان اشیاء کے برتن بنادیے جائیں، یا اسی طرح کے کسی اور مفید کام میں انہیں استعمال کیا جائے۔ اس طرح ان کی مالیت (monetary value) برقرار رہتی ہے۔ رہا صاحبین کا یہ کہنا کہ وہ لہو ولعب اور فسق و فجور کے آلات ہیں، تو ہم کہتے ہیں کہ یہ درست ہے، لیکن اس سے ان کی مالیت ختم نہیں ہوتی، لہٰذا انہیں جائز استعمال میں لایا جائے نہ کہ ناجائز استعمال میں۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے انہیں توڑا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر تاوان لازم آئے گا۔ صاحبین کے نزدیک اس پر تاوان نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ۵:۱۴۴-۱۴۵)

دوسری شرط : طیب و پاک ہونا

مبیع کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ شرعاً پاک چیز ہو، (یعنی شریعت نے اسے پاکیزہ قرار دیا ہو)، چنانچہ کتے کی فروخت جائز نہیں، چاہے وہ سدھایا ہوا ہو (واضح رہے کہ یہ موقف شافعی فقہاء

کا ہے۔حنفی فقہاء کے نزدیک شکاری کتے کی خرید وفروخت جائز ہے)،اسی طرح شراب اور دیگر نشہ آور چیزیں اور تمام نجسِ عین اشیاء یا ایسی دو مشکوک چیزیں جن میں سے ایک پاک ہو اور دوسری ناپاک ہو اور وہ آپس میں مل جائیں، تاہم اگر ان میں سے کسی ایک کا پاک ہونا واضح ہو جائے، چاہے اجتہاد ہی سے کیوں نہ ہو تو وہ جائز ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا۔اسی طرح آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، خنزیر اور بت کی فروخت کو حرام کردیا''۔اسی طرح کسی ایسی نجاست آلود چیز کی فروخت بھی درست نہیں جسے پاک نہ کیا جاسکتا ہو، جیسے سرکہ، دودھ اور مختلف رنگ، نیز ایسی اینٹ جو نجاست آمیز مٹی سے بنائی گئی ہو، (اس کی خرید وفروخت بھی درست نہیں)، تاہم اس سے بنایا گیا گھر فروخت کیا جاسکتا ہے، اور ایسی زمین بھی فروخت کی جاسکتی ہے جس کی مٹی کو نجاست والی کھاد سے زرخیز کیا گیا ہو۔اس جواز کی وجہ یہ ہے اب گندگی کی حیثیت ضمنی ہے، پھر یہ کہ مکان وزمین کی ضرورت بھی رہتی ہے، چنانچہ گندگی کو مکان اور زمین کے سلسلے میں نظر انداز کیا جائے گا۔تیل اور چربی وغیرہ میں، اگر نجاست ملی ہوئی ہو، تو وہ بھی نجس کے حکم میں ہے، کیونکہ اسے پاک نہیں کیا جاسکتا۔

(نهاية المحتاج ۳:۳۹۲-۳۹۴)

تیسری شرط : مبیع کا موجود ہونا

محل عقد کی ایک شرط یہ ہے کہ مبیع موجود ہو، چنانچہ معدوم چیز یا ایسی چیز جس کے بارے میں خدشہ یا اندیشہ ہے کہ وہ معدوم ہے، قابل بیع نہیں ہے، اس کی مثال ایک جانور کے ہونے والے بچے کے بچے کی فروخت ہے۔اس کی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ اس اونٹنی کے بچے کا بچہ میں نے تمہیں فروخت کیا۔اسی طرح جانور کے پیٹ میں جو بچہ موجود ہے، اسے فروخت کرنا بھی بیع معدوم ہے۔پہلی مثال معدوم کی بیع کی ہے اور دوسری مثال (یعنی پیٹ میں بچے کی فروخت) ایک ایسی چیز کی بیع ہے جس کے معدوم ہونے کا اندیشہ موجود ہے۔اسی طرح کی ایک صورت تھنوں میں دودھ کی فروخت ہے، کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ تھنوں میں (دودھ کے بجائے) ہوا بھری ہوئی ہو۔پھل اور فصل کو ظاہر ہونے سے پہلے فروخت کرنا بیع

معدوم ہے، البتہ انہیں ظاہر ہونے کے بعد فروخت کیا جا سکتا ہے، چاہے ان میں ابھی پختگی نہ آئی ہو۔ ایسا کرنا اسی صورت میں جائز ہوگا جب معاہدہ (پھلوں کو) درخت پر یا (اناج کو) کھیتی میں باقی رکھنے کی شرط سے خالی ہو۔ ہمارے بعض مشائخ کے نزدیک یہ بیع اسی وقت درست ہے جب ان سے کسی نہ کسی طرح فائدہ اٹھانا ممکن ہو، لیکن اگر ان سے کسی طرح بھی فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو تو اس حالت میں بیع درست نہ ہوگی۔ ان مشائخ کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ آپؐ نے پھل پکنے سے پہلے ان کی فروخت سے منع کیا ہے۔ یہ ممانعت اس بناء پر بھی ہے کہ پھل جب تک پک نہ جائیں ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ پختہ ہونے سے پہلے وہ مال کی تعریف میں نہیں آتے، لہٰذا ان کی فروخت جائز نہیں۔ (بدائع الصنائع ۵:۱۳۸-۱۳۹)

چوتھی شرط : مفید اور نفع آور ہونا

بیع کی ایک شرط یہ ہے کہ مبیع شرعاً مفید اور نفع آور ہو، اگرچہ اس کی افادیت مستقبل میں ظاہر ہو، جیسے گھوڑے یا گدھے کا چھوٹا بچہ جس کی ماں مر چکی ہو۔ غیر نفع آور چیزوں میں مال خرچ کرنا حماقت ہے اور غیر نفع آور چیز دے کر دوسرے سے قیمت لینا ناجائز طریقے سے مال کھانا ہے، لہٰذا کیڑے مکوڑوں اور حشرات الارض جیسے چوہیا، سانپ، چیونٹی وغیرہ کی فروخت درست نہیں۔ چاہے ان چیزوں میں وہ فوائد واقعتاً موجود ہوں جو بعض لوگ ذکر کرتے ہیں۔ اس حکم سے مستثنیٰ صرف وہ چیزیں ہیں جو کھائی جاتی ہیں، یا جن سے نفع اٹھایا جاتا ہے جیسے گوہ وغیرہ۔ شہد کی مکھی، ریشم کے کیڑے اور جونک کی خرید وفروخت جائز ہے۔ ایسے پرندے اور وحشی جانور جن سے شکار یا حفاظت کا کام نہ لیا جا سکتا ہو، ان کی فروخت بھی درست نہیں۔ ان میں وہ چیتا بھی شامل ہے جسے بوڑھا ہونے کی بناء پر شکار کی تربیت نہ دی جا سکتی ہو۔ ہاتھی کی خرید وفروخت لڑائی کے لیے، بندر کی خرید وفروخت چوکیداری کے لیے، اور بلی کی خرید وفروحت چوہوں کو بھگانے کے لیے اور بلبل کی فروخت اس کی آواز سے لطف اندوز ہونے کے لیے اور مور کی فروخت اس کے رنگ روپ سے متمتع ہونے کی غرض سے جائز ہے۔ یہی صورت گندم، جو اور کشمش کے دو دانوں یا رائی کے بیس دانوں یا دیگر ایسی چیزوں کی ہے جنہیں معمول کے حالات میں خریدنے کے لیے

لوگ پیسہ خرچ نہیں کرتے، کیونکہ کم مقدار ہونے کی بناء پر عموماً ان کا نفع مند استعمال نہیں ہوسکتا۔ نفع مندی کی شرط کے فقدان کی بناء پر ان اشیاء کی خرید وفروخت بھی درست نہ ہوگی' اسی بناء پر اگر یہ چیزیں ضائع ہو جائیں تو ان پر تاوان لازم نہیں آتا، تاہم یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اتنی مقدار کا غصب کرنا ناجائز ہے، اور غصب کی صورت میں لوٹانا واجب ہے۔

زہر کی فروخت بھی ناجائز ہے، بشرطیکہ وہ ہلاکت کا باعث بنتا ہو، قطع نظر اس کے کہ اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ، البتہ اگر زہر کی کم مقدار فائدہ دیتی ہو اور زیادہ مقدار ہلاک کرتی ہو تو اس کی فروخت جائز ہے، جیسے افیون کی فروخت، اسی طرح آلات لہو وموسیقی، نیز بتوں اور جاندار کی تصویر کی خرید وفروخت جائز نہیں۔ صلیب کی فروخت بھی مذہبی عقیدت وتعظیم کے طور پر ناجائز ہے، چاہے وہ سونے کی بنی ہوئی ہو۔ ایسا لٹریچر جو شرعاً حرام علم پر مشتمل ہو، اس کی خرید وفروخت بھی ناجائز ہے۔ (نهاية المحتاج ۳: ۳۹۵-۳۹۶ بحذف واختصار)

پانچویں شرط : قابلِ سپردگی ہونا

مبیع کی شرط یہ ہے کہ بائع بغیر کسی بڑی مشقت کے مبیع کو شرعاً اور واقعتاً خریدار کو سپرد کرسکتا ہو۔ اگر وہ اسے سپرد نہ کرسکتا ہو تو بیع درست نہ ہوگی، چنانچہ غصب شدہ چیز، یا گمشدہ جانور، اور ہوا میں پرندے کی فروخت جائز نہیں۔ اسی طرح مچھلی کی ایک ایسے بڑے حوض میں فروخت جہاں سے اسے آسانی سے نکالا نہ جاسکتا ہو، بھی درست نہیں۔ بھاگے ہوئے غلام کی فروخت بھی اسی بناء پر ناجائز ہے۔

اسی طرح چھت میں لگے ہوئے شہتیر، انگوٹھی کے نگینے اور برتن یا تلوار کے ایک متعین نصف حصے کی فروخت بھی درست نہیں، کیونکہ برتن یا تلوار کی ایسی فروخت اسے توڑ کر ہی عمل میں لائی جاسکتی ہے جس سے اس کی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع ۵: ۱۳۸-۱۳۹)

معقود علیہ کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ معاہدے کے وقت قابل سپردگی ہو۔ اگر وہ (بائع) اسے مشتری کو سپرد کرنے پر قادر نہ ہو تو بیع منعقد نہیں ہوگی، چاہے وہ چیز اس کی ملکیت ہی میں کیوں نہ ہو، جیسے کسی بھاگے ہوئے غلام کی بیع۔ اگر وہ غلام اس کے قبضے میں آ گیا تو فریقین کو نئے

سرے سے ایجاب وقبول کرنا ہوگا۔ ماسوائے اس کے کہ وہ دونوں سابقہ بیع کو بحال کرنے پر راضی ہو جائیں۔ اس صورت میں تبادلۂ مال (تعاطی) کی بناء پر وہ ایک نئی بیع ہوگی، لیکن اگر وہ باہم رضا مند نہ ہوں اور بائع غلام کو سپرد کرنے سے انکار کردے تو اسے قبضہ دینے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر وہ (بائع) سپرد کرنا چاہے اور خریدنے والا اسے لینے پر رضامند نہ ہو تو اسے قبضہ لینے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ کرخی نے لکھا ہے کہ بھاگے ہوئے غلام کی بیع منعقد ہو جاتی ہے، بشرطیکہ وہ بائع کے پاس آ گیا اور اس نے اسے مشتری کے سپرد کردیا۔ از سرنو معاہدے کی ضرورت نہ ہوگی۔

مغصوبہ چیز کی غاصب کے علاوہ کسی اور کو فروخت منعقد ہو جاتی ہے، تاہم ایسی بیع اس چیز کی سپردگی پر موقوف ہوتی ہے۔ اگر غاصب نے وہ چیز اسے (مالک کو) سپرد کردی تو بیع نافذ ہو جائے گی۔ یہ بیع اس لیے بھی جائز ہے کہ اس کا مالک حاکم وقت یا قاضی کی مدد سے (اس کی بازیابی کر کے) اسے سپرد کرنے پر قادر ہے، لیکن چونکہ فی الحال اس پر غاصب کا قبضہ ہے، اس لیے بیع فوری طور پر نافذ نہیں ہوگی، پھر جب بائع یہ شئے مشتری کو سپرد کردے گا تو بیع نافذ ہو جائے گی، بخلاف بھاگے ہوئے غلام کے کہ بائع مطلقاً اس کی سپردگی سے قاصر ہے۔

(بدائع الصنائع ۵:۱۴۷ بحذف واختصار)

چھٹی شرط : مبیع کا معلوم ومتعین ہونا

مبیع کی ایک شرط اس کا علم ہے، یعنی مبیع متعین ہو، اس کی مقدار اور صفت بھی معلوم ہو۔ ذات مبیع کے بارے میں لاعلمی بیع کو باطل کردیتی ہے۔ اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ ان غلاموں میں سے ایک غلام، یا ان بکریوں میں سے ایک بکری میں نے تمہیں فروخت کی تو بیع باطل ہوگی، (کیونکہ یہاں مبیع کا تعین نہیں کیا گیا)، اور اگر اس نے کہا کہ (غلے کے) اس ڈھیر میں سے ایک صاع میں نے تمہیں بیچا جب کہ یہ معلوم تھا کہ ڈھیر میں کتنے صاع ہیں تو یہ بیع درست ہے اور اس سے متناسب حصہ مراد لیا جائے گا، لیکن اگر اس کے مجموعی صاع غیر معلوم ہیں تو یہ بیع قفال کی رائے کے مطابق درست نہیں، کیونکہ اس کا متناسب حصہ معلوم کرنا ممکن نہیں۔ فروخت کردہ زمین کے ساتھ گزرگاہ کو اگر متعین نہ کیا گیا ہو تو یہ بھی ذات مبیع کے ابہام ہی کی طرح

ہے۔ (العزیز شرح الوجیز ۴: ۴۱)

رافعی کہتے ہیں کہ مبیع کبھی تو غیر متعین طور پر فرد کے ذمے میں ہوتی ہے اور کبھی متعین ہوتی ہے۔ پہلی قسم کی مثال بیع سلم ہے، جب کہ دوسری قسم کی مثال عام خرید وفروخت ہے۔ ثمن وقیمت بھی بعض اوقات دونوں صورتوں میں ذمے کا حصہ ہوتی ہے، اگر چہ بیع سلم کی صورت میں مجلس معاہدہ میں قیمت کی سپردگی ضروری ہوتی ہے اور بعض اوقات قیمت معین شکل میں ہوتی ہے۔ وہ مبیع وثمن جو ذمے میں ہوں، ان کا مقدار کے لحاظ سے متعین ومعلوم ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی نے خریدار سے کہا کہ یہ کمرہ بھر گندم میں نے آپ کوفروخت کی، یا یہ کہ اتنے وزن سونے کے بدلے میں آپ کوایک چیز فروخت کی تو یہ بیع درست نہیں ہوگی، (پہلی مثال میں ثمن غیر متعین ہے، جبکہ دوسری مثال میں مبیع غیر متعین ہے)۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: ''میں نے تمہیں یہ چیز اتنے میں فروخت کی، جتنے میں فلاں نے اپنا گھوڑا یا کپڑا فروخت کیا''، اور دونوں کو یا کسی ایک کو اس قیمت کا علم نہیں جس پر گھوڑا یا کپڑا فروخت ہوا تو بیع درست نہیں، کیوں کہ اس میں غرر (ابہام اور غیر یقینیت) ہے۔ (العزیز شرح الوجیز ۴: ۴۵-۴۶)

مبیع کا معائنہ

مبیع کی صفات معلوم کرنے کے لیے کیا اس کا معائنہ ضروری ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ امام مزنی کا رجحان اسی جانب ہے (کہ مبیع کی ضروری صفات معلوم کرنے کے لیے معائنہ شرط ہے)۔ ان کے نزدیک جس چیز کوفریق معاہدہ نے نہ دیکھا ہو، اس کا سودا ناجائز ہے اور شاید یہ زیادہ درست قول ہے۔ (غائب چیز کے) ہبہ کرنے کے سلسلے میں دو قول ہیں۔ زیادہ درست یہ ہے کہ وہ جائز ہے، (خواہ اسے موہوب لہ نے نہ دیکھا ہو)۔ اندھے شخص کی خرید کو بھی انہی اقوال کی روشنی میں دیکھا جائے گا۔ نابینا شخص کی طرف سے سلم کا معاہدہ بھی درست ہے، کیونکہ سلم میں مبیع کی صفت پر انحصار کیا جاتا ہے، (معائنے پر نہیں)۔

(العزیز شرح الوجیز ۴: ۵۱)

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں: فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

غائب اشیاء کی بیع

شافعی نقطۂ نظر

امام رافعی فرماتے ہیں کہ غائب اشیاء یا ایسی موجود اشیاء جن کا معائنہ نہ کیا گیا ہو، ان کی بیع کی درستگی کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ صحیح ہے، جیسا کہ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد کی رائے ہے۔ ان کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے: ''جس نے کوئی ایسی چیز خریدی جسے اس نے نہ دیکھا ہو تو دیکھنے پر اسے سودا منسوخ کرنے کا اختیار ہے''۔ یہ طے شدہ چیز ہے کہ حق فسخ وقبول شرعاً سودوں میں ہی ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ عقدِ معاوضہ ہے اور ایسے معاہدوں میں محلِ معاہدہ کو دیکھنا جواز کی شرط نہیں جیسے عقد نکاح۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ معاہدہ صحیح نہیں۔ امام مزنی نے یہی قول اختیار کیا ہے۔ اس کی توجیہ انہوں نے یوں کی ہے کہ یہ بیع غرر ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غرر کے سودوں سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے بھی ناجائز ہے کہ مبیع کی کیفیت وصفت مشتری کو سودا طے کرتے وقت معلوم نہ تھی۔

(العزیز شرح الوجیز ۴: ۵۱)

حنبلی نقطۂ نظر

معاہدے کی درستگی کے لیے بائع ومشتری دونوں کا مبیع کو دیکھنا ضروری ہے، تاہم نہ دیکھنے کی صورت میں بھی بیع جائز ہے، بشرطیکہ بعد میں بائع کو وہ چیز دیکھنے پر اختیار فسخ وقبول حاصل ہو۔ اور اگر مشتری نے مبیع نہ دیکھا ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کو اختیارِ فسخ حاصل ہوگا۔ امام شافعی کی رائے بھی یہی ہے، البتہ حدیث عمار وطلحہ کی بنیاد پر امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ اسے اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ (المغنی ۶: ۳۳)

اگر بائع نے مشتری کے سامنے مبیع کی ایسی صفات بیان کر دیں جو بیع سلم کی درستگی کے لیے کافی سمجھی جاتی ہیں، تو ظاہر مذہب کے مطابق اس کی بیع درست ہوگی۔ اکثر اہل علم کی رائے بھی یہی ہے۔ امام احمدؒ سے روایت ہے کہ مبیع کو دیکھے بغیر سودا درست نہیں، کیوں کہ زبانی صفت بیان کرنے سے مبیع کی خصوصیات کا مکمل احاطہ نہیں ہوتا، لہٰذا زبانی صفت بیان کرنے سے اسی

طرح بیع درست نہیں ہوگی جیسا کہ بیع سلم میں۔ بعض غیر موجود چیزوں کی بیع اس بناء پر صحیح نہیں ہوتی کہ جامع اور درست طریقے سے ان کا وصف بیان نہیں کیا جا سکتا۔ (امام احمدؒ کے جواب میں) ہمارا کہنا ہے کہ عام بیع وصف کے ذریعے ہوتی ہے، لہٰذا سلم کی طرح جائز ہے۔ ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ وصف کے ذریعے مبیع (کی خصوصیات) کا احاطہ ممکن نہیں، کیونکہ مبیع کی مکمل پہچان ان ظاہری صفات سے ہو جاتی ہے جو قیمت پر اثر انداز ہوتی ہیں، اور یہ اس کی درستگی کے لیے کافی ہے جیسا کہ سلم کے لیے یہ کافی ہے۔ مزید براں خود معائنہ میں بھی ظاہری صفات ہی کا خیال رکھا جاتا ہے، مبیع کی غیر مرئی یا مخفی صفات سے واقفیت ضروری نہیں۔ اس سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ جس (مبیع) میں سلم درست نہیں، اس کی عام بیع بھی بذریعہ وصف درست نہیں، کیونکہ اس کی تحدید وتعیین ممکن نہیں۔ اب جب کہ یہ بات ثابت ہوگئی ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر مشتری نے مبیع کو بیان کردہ کیفیت کے مطابق پایا تو اسے فسخ کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ یہی بات محمد بن سیرین، ایوب، امام مالک، عنبری، اسحاق ابن راہویہ، ابوثور اور ابن المنذر نے کہی ہے۔ امام ثوری، امام ابوحنیفہ اور باقی احناف کہتے ہیں کہ اسے ہر حال میں اختیار ہوگا، کیوں کہ اس کا نام ہی ''خیار رویت'' پر مبنی سودا ہے۔ (المغنی ۶:۳۳-۳۴)

ساتویں شرط: مبیع کا بائع کی ملکیت میں ہونا

(مبیع کی ایک شرط یہ ہے کہ) وہ بائع کی ملکیت ہو، کیوں کہ بیع دراصل دوسرے کو کسی چیز کا مالک بنانا ہے، لہٰذا بیع کسی ایسی چیز میں ثابت نہ ہوگی جو بائع کی ملکیت نہ ہو۔ اسی بناء پر کسی شخص کا اپنی مملوکہ زمین کی گھاس یا نہر یا کنویں کا پانی فروخت کرنا درست نہیں، کیوں کہ گھاس اگرچہ اس کی مملوکہ اراضی میں ہے، لیکن وہ سب کے لیے مباح ہے۔ اسی طرح پانی کا بھی یہی حکم ہے جب تک کہ اسے کسی جگہ اکٹھا اور جمع نہ کر دیا جائے۔ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے: الناس شرکاء فی ثلاث (لوگ تین چیزوں کی ملکیت میں شریک ہیں) جن میں گھاس اور پانی شامل ہیں۔ لوگوں کی (ان چیزوں میں) شرکت سے مراد سب کے لیے ان کا مباح ہونا ہے، خواہ وہ گھاس بلا مشقت بارش کے پانی سے یا خود پانی دینے سے اُگی ہو، اور اس میں مشقت اٹھانا پڑی ہو، کیوں

کہ پانی دینا پانی جمع کرنے سے مختلف چیز ہے، لہٰذا وہ گھاس سب کے لیے مباح رہے گی، کیونکہ اس میں (صاحب زمین کی) خصوصی ملکیت کی کوئی وجہ موجود نہیں۔ (بدائع الصنائع ۵:۱۴۶)

اس اصول کو مکہ مکرمہ کی زمین کی فروخت اور اس کے اجارے پر بھی لاگو کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی فروخت اور اجارہ ناجائز ہیں۔ ان کا ایک قول جواز کا بھی ہے۔ یہی مسلک (مسلکِ جواز) امام شافعی کا ہے۔ موخر الذکر قول کی دلیل بیع کی عمومی نصوص ہیں جن میں حرم اور غیر حرم کا کوئی فرق نہیں کیا گیا، چنانچہ تمام زمین اپنی اصل کے اعتبار سے قابل ملکیت ہے، ماسوائے ان زمینوں کے جن کی ملکیت پر کوئی عارضی قدغن عائد کی گئی ہو، جیسے وقف کی زمین، یا مسجد ہے۔ حرم کے حوالے سے چونکہ اس طرح کی کوئی رکاوٹ نہیں ہے، لہٰذا حرم کی زمینوں کی فروخت جائز ہے۔ ہماری دلیل (عدم جواز کی دلیل) ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ابتدائے تخلیق سے حرم مکہ کی زمین کو حرام کردیا۔ وہ مجھ سے قبل نہ کسی کے لیے حلال ہوئی اور نہ میرے بعد ہوگی۔ وہ میرے لیے دن کی ایک گھڑی کے لیے حلال ہوئی تھی۔ نہ تو اس کا سبزہ اور درخت کاٹے جائیں، نہ اس کا شکار بھگایا جائے''۔ اسی طرح حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے مروی ہے: ''مکہ مکرمہ حرام (مقدس) ہے اور اس کی اراضی کو بیچنا حرام ہے''۔ یہ روایت اس باب میں نص کا درجہ رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حرم کو شرف اور فضیلت بخشی ہے، اسے امن کی جگہ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو جائے امن بنایا ہے''، چنانچہ اس کی اراضی کی خرید وفروخت اور مالک بننے اور بنانے کی غرض سے اسے تصرف میں لانا اس کی اہانت وتحقیر کرنا ہے، لہٰذا باقی زمینوں کے برعکس حرم مکہ کی زمینوں کی فروخت ناجائز ہے۔ اس کے جواز کے لیے بیع کی عمومی نصوص کا سہارا نہیں لیا جا سکتا، کیونکہ حدیثِ مشہور نے ان کے عموم کی تخصیص کردی ہے، تاہم مکہ مکرمہ کی عمارتوں کو فروخت کرنا جائز ہے، کیوں کہ حرم خالی زمین کا نام ہے۔ عمارت کا نام نہیں۔ امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایام حج میں مکہ مکرمہ کے مکانات کو حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کو کرائے پر دینے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ رہے مقیم اور مضافات مکہ میں رہنے والے لوگ تو انہیں مکان کرائے پر دینے میں کوئی حرج نہیں۔ (بدائع الصنائع ۵:۱۴۶)

حد یعمل فی الارض خیر لاهل الارض من ان یمطروا اربعین صباحا ☆ الحدیث

صیغۂ ایجاب وقبول کی شرائط

الفاظِ ایجاب وقبول

بیع ایک پسندیدہ چیز کا دوسری پسندیدہ چیز کے ساتھ تبادلے کا نام ہے۔ یہ تبادلہ کبھی الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی فعل کے ذریعے۔ مبادلے کے الفاظ کو فقہاء کے عرف میں ایجاب وقبول کہا جاتا ہے۔

ایجاب وقبول کے الفاظ کبھی ماضی کے صیغے میں ادا کیے جاتے ہیں اور کبھی صیغۂ حال میں۔ صیغۂ ماضی کی صورت یہ ہے کہ بائع یہ کہے کہ ''میں نے یہ چیز بیچی'' اور خریدار کہے کہ ''میں نے یہ چیز خریدی''۔ اس سے بیع کا ایک رکن مکمل ہو جاتا ہے۔ یہ صیغہ گوکہ اپنی وضع میں ماضی کا ہے، لیکن چونکہ اہل لغت وشریعت کے عرف میں اسے حال کے مفہوم میں لیا جاتا ہے، لہٰذا یہاں عرف کا اعتبار کرتے ہوئے اس سے مراد صیغۂ حال لیا جائے گا۔ صیغۂ حال یہ ہے کہ بائع ایجاب (پیشکش) کی نیت سے خریدار کو کہے: ''میں تمہیں یہ چیز اتنے میں بیچتا ہوں''۔ خریدار اس کے جواب میں کہے: ''میں نے خریدی''، یا خریدار ایجاب کی غرض سے یہ کہے کہ ''میں تم سے یہ چیز اتنے میں خریدتا ہوں''۔ اس کے جواب میں بائع یہ کہے: ''میں تمہیں یہ چیز اتنے میں بیچتا ہوں'' اور خریدار بھی یہ کہے: ''میں تم سے خریدتا ہوں'' جبکہ دونوں کی نیت ایجاب کی ہو۔ اس سے رکن بیع مکمل ہو جاتا ہے اور بیع منعقد ہو جاتی ہے۔

معاہدۂ بیع تمام فقہاء کے نزدیک صیغۂ استفہام سے منعقد نہیں ہوتا، مثلاً خریدار بائع سے کہے: ''کیا تم مجھے یہ چیز اتنے میں بیچتے ہو''؟ یا ''کیا تم نے اتنے میں یہ چیز مجھے بیچی''؟ اور بائع جواب دے: ''میں نے بیچی''۔ اس سے بیع اس وقت تک منعقد نہیں ہوگی، جب تک کہ خریدار جواباً یہ نہ کہے: ''میں نے خریدی''۔

کیا بیع کسی اور صیغے سے بھی منعقد ہو جاتی ہے؟ مثلاً خریدار بائع سے کہے: ''اپنا یہ غلام اتنے میں مجھے بیچ دو'' تو بائع یہ جواب دے: ''میں نے بیچ دیا''۔ ہمارے فقہاء —اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل کرے— فرماتے ہیں کہ یہ بیع اس وقت تک منعقد نہیں ہوگی جب تک کہ خریدار یہ نہ

کہے کہ ''میں نے خریدا''۔ اس کے برعکس امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ (امر کے صیغے سے بھی) بیع منعقد ہو جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع ۵:۱۳۳)

بیع تعاطی یا فعل مبادلہ کے ذریعے خرید وفروخت

حنفی نقطۂ نظر

لینے اور دینے کے فعل کے ذریعے ہونے والے مبادلے کو بیع تعاطی کہا جاتا ہے۔ اسے **بیع المراوضة** بھی کہا جاتا ہے۔ اس طرح خرید وفروخت ہمارے نزدیک جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تعاطی کے ذریعے خرید وفروخت جائز نہیں، کیونکہ شریعت میں بیع، ایجاب وقبول کا نام ہے، جبکہ تعاطی یا مبادلہ کے ذریعے صرف کم قیمت اشیاء کی خرید وفروخت ہو سکتی ہے۔ مبادلے کے ذریعے قیمتی اشیاء کی خرید وفروخت جائز نہیں۔ (بدائع الصنائع ۵: ۱۳۴)

شافعی نقطۂ نظر

بیع ایجاب وقبول ہی سے منعقد ہوتی ہے۔ لینے اور دینے کے فعل (تعاطی) کے ذریعے نہیں، کیونکہ تعاطی پر بیع کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ایجاب یہ ہے کہ بائع یہ کہے: ''میں نے تمہیں بیچا'' یا ''میں نے تمہیں اس کا مالک بنایا'' یا اس سے ملتی جلتی کوئی عبارت کہے۔ قبول یہ ہے کہ خریدار یہ کہے: ''میں نے قبول کی'' یا ''میں نے خریدی'' یا اسی سے ملتی جلتی کوئی عبارت کہے۔ اگر خریدار کہے: ''مجھے بیچو''، اور بائع کہے: ''میں نے تمہیں بیچی'' تو بیع واقع ہو جائے گی، کیونکہ اس میں ایجاب وقبول موجود ہے۔ (المجموع ۹: ۱۶۲)

حنبلی نقطۂ نظر

(بیع تعاطی جائز ہے)۔ ہمارے نزدیک اس بیع کے جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا اور اس کی کیفیت بیان نہیں فرمائی، چنانچہ جس طرح دوسرے معاملات، مثلاً ''قبض''، ''احراز'' اور ''تفرق'' کے سلسلے میں عرف کی طرف رجوع کیا گیا ہے، اسی طرح اس بیع (بیع تعاطی) کی کیفیت معلوم کرنے کے لیے بھی عرف کی طرف رجوع کیا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ عرف کے ذریعے معلوم ہوا کہ مسلمان اپنے بازاروں میں اس طرح سے بیع کا

معاملہ کرتے ہیں، اور بیع کا یہ طریقہ ان کے درمیان معلوم ومشہور ہے، البتہ بیع کی اس قسم پر شریعت کے بعض احکام کا دارومدار ہے اور انہیں شریعت نے اپنی جگہ پر برقرار بھی رکھا ہے، لہٰذا اپنی رائے سے اس قسم میں تغیر وتبدیلی کرنا جائز نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے درمیان اس بیع کے رواج کے باوجود اس میں ایجاب وقبول کا استعمال ثابت اور منقول نہیں۔ اگر وہ اس بیع میں ایجاب وقبول کرتے تو یہ بات ضرور مشہور ہو جاتی، نیز اگر ایجاب وقبول کے الفاظ کی ادائیگی بیع کے اندر شرط کا درجہ رکھتی تو اس صورت میں اس حکم کو آگے دوسروں تک پہنچانا واجب ہو جاتا، کیونکہ صحابہ کرامؓ سے اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ جو بات آگے پہنچانا واجب ہو، اسے پہنچانے میں وہ سستی اور غفلت سے کام لیں۔

پھر یہ کہ بیع کا تعلق ان معاملات سے ہے جن سے لوگوں کا سابقہ کثرت سے پڑتا ہے، اگر بیع کے اندر ایجاب وقبول کے الفاظ کی ادائیگی شرط کی حیثیت رکھتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لازماً اسے بیان فرماتے اور اس کا حکم مخفی نہ رہتا، کیونکہ حکم کے مخفی ہونے کی صورت میں بہت سے معاملات فاسد ہو جاتے اور اس کے نتیجے میں باطل طریقے سے لوگوں کے مال کھانے کا دروازہ کھل جاتا۔ اس کے برعکس ہمارے علم کی حد تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے اس بارے میں کوئی روایت موجود نہیں۔ (المغنی ٦: ٨)

فریقین معاہدہ (بائع ومشتری) سے متعلق شرائط

اہلیت تصرف

شافعی نقطۂ نظر

فریق معاہدہ کی، خواہ وہ بائع ہو یا مشتری، شرط یہ ہے کہ اس میں بصیرت ورشد ہو۔ رشد کا مفہوم یہ ہے کہ فرد میں دینی ومالی معاملات کی سمجھ بوجھ موجود ہو اور اس کے تصرفات پر کوئی پابندی عائد نہ کی گئی ہو۔ اس میں وہ شخص بھی شامل ہے جو اس طور پر بالغ ہوا کہ وہ اپنے دینی اور مالی معاملات کو درست طور پر چلانے کی صلاحیت رکھتا تھا، بعد میں وہ اسراف وتبذیر کا شکار ہو گیا، مگر اس کے باوجود اس پر پابندی نہ لگی ہو (ایسا شخص بھی مطلوبہ اہلیت معاہدہ رکھتا ہے)۔ تصرف اور معاہدے کا اہل وہ شخص بھی سمجھا جائے گا

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

جس کا بلوغ کے بعد کوئی ایسا مالی تصرف سامنے نہیں آیا جس سے اس کی اہلیت وعدم اہلیت کا اندازہ کیا جا سکے۔ایسے شخص کے تصرفات کو درست سمجھا جائے گا اور بالغ ہونے کے بعد،اگر وہ فاسق ہو گیا تو اس پر پابندی عائد نہیں ہوگی۔ (نهاية المحتاج ۳: ۳۸۵)

معاہدۂ خرید وفروخت ہر اس شخص کی طرف سے جائز ہے جو بالغ ،عاقل اور صاحب اختیار ہو۔ بچے اور پاگل کی بیع درست نہیں ،کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''تین آدمیوں پر سے ذمہ داری اٹھالی گئی ہے، بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے،سوتے ہوئے شخص سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے،اور پاگل سے یہاں تک کہ اس کی یہ ذہنی حالت درست ہو جائے''۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مال میں تصرف کا معاملہ ہے جسے مال کی حفاظت کے معاملے کی طرح بچے اور پاگل کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔اسے مال کی حفاظت پر قیاس اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ اس پر اجماع ہے، نیز اس پر نص قرآنی موجود ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:''یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔پس اگر تم ان میں سمجھ بوجھ پاؤ تو ان کے مال انہیں سپرد کردو'' (النساء ۴: ٦)۔

ناسمجھ اور فضول خرچ (سفیہ)،(جس پر ناسمجھی اور فضول خرچی کی بناء پر پابندی عائد کی گئی ہو) کی بیع بھی درست نہیں۔

پاگل کی بیع بالاتفاق درست نہیں۔یہی حکم اس شخص کی بیع کا ہے جس پر غشی طاری ہو گئی ہو۔ نشے میں مدہوش شخص کے بارے میں شافعیہ کا ایک قول یہ ہے کہ اس کی خرید و فروخت اور دوسرے سارے تصرفات درست ہیں، چاہے وہ نفع بخش ہوں یا ضرر رساں۔دوسرا قول یہ بھی ہے کہ ان میں سے کوئی تصرف درست نہیں۔تیسرا یہ ہے کہ ذمہ داریوں کی حد تک اس کے تصرفات درست ہیں،حقوق میں نہیں۔پس اس کی فروخت اور ہبہ درست ہیں،لیکن قبولِ ہبہ درست نہیں۔

بچے کی بیع وشراء ، اجارہ اور دیگر معاہدات اپنے اور کسی دوسرے کے لیے درست نہیں ہیں، چاہے وہ نقصان کے ساتھ ہوں یا نفع کے ساتھ ،اور چاہے بچہ سمجھ بوجھ والا ہو یا ناسمجھ، اور چاہے اس نے ولی کی اجازت سے چیز فروخت کی ہو،یا بغیر اجازت کے،اور چاہے وہ سودا بچے

کے امتحان وآزمائش کی غرض سے ہو یا اس مقصد کے بغیر ہو۔ آزمائش وتربیت کی غرض سے کی جانے والی بیع سے مراد وہ بیع ہے جس کے ذریعے سرپرست بچے کے قرب بلوغت کے وقت (مالی معاملات میں) اس کی سمجھ بوجھ کا اندازہ لگاتا ہے۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ اسے چیزیں وصول کرنے کا اختیار دے اور معاہدہ کرنے کے ضروری انتظامات سپرد کردے اور جب اصل معاہدہ کرنے کا وقت آئے تو معاہدہ سرپرست خود کرے۔

امام الحرمین اور بعض اہل خراسان کے نزدیک آزمائش وتربیت کی غرض سے کی جانے والی بیع جائز ہے، لیکن صحیح نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ باطل ہے، کیونکہ بیع کے درست ہونے کی صورت میں بچے پر فروخت شدہ سامان کو سپرد کرنا لازم آتا ہے، حالانکہ حدیث کی رو سے بچے پر کوئی چیز واجب نہیں۔

فقہاء کہتے ہیں کہ اگر بچے نے کوئی چیز خریدی، بائع نے وہ چیز اسے سپرد کردی اور وہ چیز اس کے ہاتھ میں تلف ہوگئی، یا خود بچے نے اسے تلف کردیا تو اس پر کوئی تاوان نہیں، نہ اس وقت اور نہ بالغ ہونے کے بعد۔ یہی حکم بچے کے قرض لینے کا ہے۔ (اس پر تاوان عائد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ) بچے کو وہ چیز سپرد کر کے مالک نے خود اپنی چیز ضائع کی ہے۔ اگر وہ چیز ابھی تک موجود ہے تو مالک اسے واپس لینے کا حق رکھتا ہے، اور اگر بچے کے ولی نے وہ چیز لے لی ہے تو اب وہ چیز ولی کی ضمان میں داخل ہوگئی ہے، اور اگر بچے نے بائع کو اس کی قیمت ادا کی تو یہ ادائیگی درست نہ ہوگی، بائع وہ قیمت سرپرست کو لوٹا دے۔ سرپرست پر لازم ہے کہ وہ اسے واپس حاصل کرے۔ ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ اگر اس نے وہ قیمت بچے کو لوٹا دی تو اس سے بائع کی ذمہ داری ساقط نہ ہوگی۔ (المجموع ۹: ۱۵۵-۱۵۶ بحذف واختصار)

ہمارے اصحاب کا کہنا ہے کہ جس طرح ایک بچے کے قولی تصرفات درست نہیں، اسی طرح اس کے فعلی تصرفات بھی درست نہیں۔ پس اگر قرض خواہ نے مقروض سے کہا کہ میرا حق اس بچے کو سپرد کردو اور اس نے وہ رقم بچے کو دے دی تو اس سے مقروض کی ادائیگی قرض کی ذمہ داری ختم نہیں ہوگی، بلکہ وہ قرض اس کے ذمے باقی رہے گا۔ اگر وہ رقم بچے سے ضائع ہوگئی تو یہ دینے والے کا نقصان متصور ہوگا، بچے پر اس کا کوئی تاوان نہ ہوگا، کیونکہ دینے والے نے بچے کو دے دی۔ اس طرح

اُس نے خود رقم ضائع کی ہے اور اس کے ذمے قرض باقی ہے۔

(المجموع ۹: ۱۵۷-۱۵۸ بحذف واختصار)

حنبلی نقطۂ نظر

(بیع کی) ایک شرط یہ ہے کہ معاہدہ کرنے والا خواہ بائع ہو یا مشتری، تصرف کی اہلیت رکھتا ہو، وہ آزاد، بالغ اور صاحب شعور ہو۔ چنانچہ بچے، پاگل، نشے میں مدہوش، نیند میں سوتے ہوئے، برسام میں مبتلا اور نادان شخص کی بیع درست نہیں، کیونکہ بیع ایک قول کی مانند ہے جس کے لیے رضا مندی اسی طرح شرط ہے جیسے یہ اقرار کے لیے ضروری ہوتی ہے، چنانچہ ناسمجھ اور بے شعور کی بیع درست نہیں۔ سمجھ دار بچے اور نادان شخص کی بیع ان کے ولی کی اجازت سے درست ہے، چاہے یہ بیع قیمتی اشیاء ہی کی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''یتیموں کو آزماؤ یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ اب اگر تم ان میں سمجھ بوجھ پاؤ تو ان کا مال ان کے سپرد کردو''، یعنی انہیں آزماؤ اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ خرید وفروخت کا کام ان کے سپرد کیا جائے۔ ولی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ انہیں ایسے مالی تصرف کی اجازت دے جو غیر مفید ہو، کیونکہ اس میں مال کا ضیاع ہے۔

سمجھ دار بچہ ((صبی ممیز) اور بے شعور بالغ شخص (سفیہ) ولی کی اجازت کے بغیر نہ ہبہ قبول کرسکتے ہیں اور نہ کوئی وصیت کرسکتے ہیں، تاہم بچہ معمولی اشیاء کی خرید وفروخت ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر بھی کرسکتا ہے، کیونکہ روایت میں آتا ہے کہ ابو الدرداءؓ نے ایک بچے سے ایک بڑا چڑا خریدا اور اسے فضا میں چھوڑ دیا۔ اسی طرح غلام اور سفیہ بھی ولی کی اجازت کے بغیر معمولی اشیاء کی بیع وشراء کا معاملہ کرسکتے ہیں جیسے سبزی کی کوئی گٹھی یا دیا سلائی وغیرہ، کیونکہ ممانعت کی وجہ ضیاع مال تھا، اور معمولی قسم کی چیزوں کی فروخت میں اس طرح کا خدشہ نہیں ہوتا۔ سمجھ دار بچے کے ہاتھ جو تحفے تحائف بھیجے جاتے ہیں، انہیں قبول کرنا، نیز انہیں گھر میں داخل ہونے کی اجازت دینا جائز ہے، کیونکہ عرف ان امور کو قبول کرتا ہے۔

(کشاف القناع عن متن الاقناع ۳: ۱۴۱-۱۴۲)

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

رشد کا مفہوم

رشد مالی معاملات میں سمجھ بوجھ کا نام ہے۔ یہ اکثر اہل علم کا قول ہے جن میں مالک اور ابوحنیفہ شامل ہیں۔ حسن، شافعی اور ابن المنذر کا کہنا ہے کہ رشد، دین اور مال میں راستی کا نام ہے، کیونکہ فاسق رشد سے عاری ہوتا ہے، لوگ اس کے دینی بگاڑ کی بناء پر حفاظت مال کے سلسلے میں اس پر اعتماد نہیں کرتے، اس کی بات قبول نہیں کی جاتی، نیز کسی شخص کے امور کے ولی ہونے اور اس کے سرپرست بننے میں بھی فرد کا دینی بگاڑ مانع ہوتا ہے، چاہے ایسا شخص جھوٹ اور تبذیر (یعنی گناہ کے کاموں میں پیسہ برباد کرنے) کے لیے مشہور نہ ہو۔ اس کے برعکس ہمارے موقف کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ''پھر اگر تم ان میں سمجھ بوجھ محسوس کرو تو ان کا مال و جائیداد ان کے حوالے کردو''۔ (النساء ۴:۶)۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں رشد سے مراد مالی معاملات کی سمجھ بوجھ ہے۔ مجاہد کہتے ہیں: ''یعنی جب وہ عقلمند ہو جائے''۔ چنانچہ جو شخص اپنے مالی معاملات کو درست طریقے سے چلانے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس کے اندر رشد کی صفت موجود متصور ہوگی۔ مزید براں اگر عدالت یا عدم فسق بقائے رشد کے لیے ضروری نہیں تو ابتدائے رشد کے لیے بھی اسے شرط نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اس موقف کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ''غیر رشید'' شخص کے تصرفات پر پابندی اس کے مال کی حفاظت کی غرض سے لگائی جاتی ہے (نہ کہ اس کے دین کے بگاڑ کی وجہ سے)، اس کا مطلب یہ ہے کہ رشد اور عدم رشد کے تعین میں بنیادی چیز ضیاع مال یا حفظِ مال ہے۔

اس نقطۂ نظر سے اختلاف کرنے والوں کا یہ کہنا ہے کہ فاسق ''غیر رشید'' (سمجھ بوجھ اور راستی سے عاری شخص) ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ دینی معاملات میں ضرور ''غیر رشید'' ہے، تاہم مالی معاملات چلانے اور ان کی دیکھ بھال کے حوالے سے وہ ایک سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان ہے۔ ان (اختلاف کرنے والوں) کے موقف کی تردید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ کافر جوان کے موقف کی رو سے غیر رشید ہے، مگر محض کفر کی وجہ سے وہ مالی معاملات کے لیے نااہل نہیں قرار دیا جاتا۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان مال سپرد کیے جانے کے بعد فاسق ہو جاتا ہے تو اس کا رشد زائل

نہیں ہوتا اور اس کے مالی تصرفات پر پابندی عائد نہیں ہوتی۔ اگر عدالت یا عدم فسق رشد کی شرط ہوتی تو فسق طاری ہونے پر رشد کو زائل ہو جانا چاہیے (اور اس کے نتیجے میں ایسے شخص کے تصرفات پر پابندی عائد ہو جانا چاہیے)۔ کسی شخص کے قول کے نامقبول ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اسے مال سپرد نہ کیا جائے۔

چنانچہ ایک ایسا شخص جو کثرت سے نسیان اور بھول چوک کا شکار ہو، یا بازاروں میں چلتے پھرتے کھاتا پیتا ہو، یا مجلسوں میں ٹانگیں پھیلا کے بیٹھتا ہو، ایسے شخص کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، تاہم اس کا مال اس کے سپرد کر دیا جائے گا۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ فاسق شخص اگر گناہ کے کاموں، جیسے شراب، یا آلات لہو ولعب کی خرید میں پیسہ خرچ کرے گا، یا دولت کے ذریعے بگاڑ کا راستہ اختیار کرے گا تو وہ غیر رشید تصور ہوگا، کیونکہ وہ اپنے مال کو ناجائز طریقے سے خرچ کر رہا ہے اور اسے بلا مقصد ضائع کر رہا ہے۔ لیکن اگر اس کا فسق اور بگاڑ کسی اور نوعیت کا ہے، جیسے وہ جھوٹ بولتا ہے، یا زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، یا نمازوں کا خیال نہیں رکھتا تو اس کا مال اس کے سپرد کیا جائے گا، بشرطیکہ اس کے اندر مال کی حفاظت کی صلاحیت موجود ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حجر یا تصرفات پر پابندی کا مقصود حفظِ مال ہے۔ ایسے شخص کا مال پابندی عائد کیے بغیر بھی محفوظ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ایسا شخص جو مال کی حفاظت کرنا جانتا ہو، مال سپرد کیے جانے کے بعد فاسق ہو جائے تو اس سے وہ مال واپس نہیں لیا جائے گا۔ کسی شخص کے رشد اور سمجھ بوجھ کا اندازہ اسے امتحان اور آزمائش میں ڈال کر کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اور یتیم بچوں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں'' (النساء ۴: ۶)۔ یتیم کی آزمائش اسے ایسے کاموں کی سپردگی سے ہو سکتی ہے جو اس جیسے افراد کرتے ہیں۔ اگر وہ تاجروں کی اولاد میں سے ہے تو اسے خرید وفروخت کا کام سپرد کیا جائے۔ اگر بہت سے سودے کرنے کے بعد یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ نقصان کا سودا نہیں کرتا اور جو مال اسے سپرد کیا گیا ہے، اسے ضائع نہیں کرتا تو وہ ''رشید'' متصور ہوگا۔

(المغنی ۶: ۶۰۷-۶۰۸)

☆ لا اجتہاد عند ظہور النص ☆ نص کی موجودگی میں اجتہاد جائز نہیں ☆

حنفی نقطۂ نظر

بائع اور مشتری سے تعلق رکھنے والی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عاقل ہو، لہٰذا کسی دیوانے اور ناسمجھ بچے کی بیع منعقد نہیں ہوگی، کیوں کہ صاحبِ معاملہ کی اہلیت، صحت معاملہ کی شرط ہے اور اہلیت بغیر عقل کے ثابت نہیں ہوتی۔ بلوغت ہمارے نزدیک بیع کے انعقاد کی شرط نہیں۔ ہمارے نزدیک اگر کوئی سمجھ دار بچہ اپنا مال فروخت کرتا ہے تو یہ بیع منعقد ہوجاتی ہے، تاہم یہ معاہدہ ولی (سرپرست)، یا بالغ ہونے کے بعد خود صاحبِ معاملہ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک بلوغت بیع منعقد ہونے کی شرط ہے، اس لیے بچے کی بیع وشراء ان کے نقطۂ نظر کے مطابق سرے سے منعقد نہیں ہوتی۔ ہمارے نزدیک بلوغت نفاذ معاہدہ کی شرط بھی نہیں۔ اگر بچہ کسی کی طرف سے بیع وشراء کا وکیل بنا تو وہ معاہدہ نافذ العمل ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک نافذ نہیں ہوگا۔ (بدائع الصنائع ۵: ۱۳۵)

فضولی کی بیع

جس شخص نے کسی دوسرے کی مملوکہ چیز اس کی اجازت کے بغیر فروخت کی تو مالک کو حق حاصل ہے کہ چاہے تو بیع کی توثیق کردے اور چاہے تو فسخ کردے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ایسی بیع واقع نہیں ہوتی، کیونکہ وہ کسی قانونی اختیار کے بغیر ہوئی ہے، اور (کسی چیز میں تصرف کا) قانونی اختیار (انسان کو) اپنی ملکیت، یا مالک کی طرف سے اجازت سے حاصل ہوتا ہے۔ یہاں یہ دونوں چیزیں ناپید ہیں، لہٰذا قانونی اختیار کے فقدان کی بنا پر یہ بیع منعقد نہیں ہوئی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ ایک ایسا تصرف ہے جس کا مقصد دوسرے کو کسی چیز کا مالک بنانا ہے۔ یہ تصرف ایک ایسے شخص سے صادر ہوا ہے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے، یعنی عاقل و بالغ ہے۔ پھر یہ تصرف ایک ایسی چیز میں واقع ہوا ہے جو مبیع بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ اس بیع کو منعقد قرار نہ دیا جائے۔ مزید براں ایسی بیع میں مالک (جس کی چیز فضولی نے فروخت کی ہے) کا کوئی نقصان بھی نہیں، خاص طور پر جب کہ اسے بیع کی توثیق یا فسخ کا حق بھی حاصل ہے، بلکہ اس بیع میں مالک کا فائدہ ہے کہ وہ گاہک تلاش کرنے اور قیمت مقرر کرنے کی

مشقت سے بچ گیا، نیز اس میں معاہدہ کرنے والے کا بھی فائدہ ہے کہ اس کی بات لغو ومہمل ہونے سے بچ گئی۔ اسی طرح خریدار کا بھی اس میں فائدہ ہے۔ان وجوہ کی بناء پر اس کا قانونی اختیار ثابت ہو جاتا ہے۔ مالک کی اجازت ضمناً اسے حاصل ہے کہ عام طور پر عقلمند شخص نفع بخش تصرف کی اجازت دے ہی دیتا ہے۔

مالک اجازت دینے کا حق رکھتا ہے، جب کہ معقود علیہ (جس چیز پر معاہدہ ہوا ہے) باقی ہو اور فریقینِ معاہدہ کی اہلیتِ معاہدہ برقرار ہو۔اس کی وجہ یہ ہے کہ (معاہدے کی) توثیق (یا اجازت) ایک تصرف ہے جو فریقین کی اہلیتِ معاہدہ کی موجودگی اور معقود علیہ کے باقی رہنے سے ہی درست ہوگا۔

جب مالک نے اجازت دے دی تو مبیع کی قیمت، مالک کی طرف سے فضولی کے پاس امانت تصور ہوگی۔اس کی حیثیت کسی شخص کے وکیل کے پاس مبیع کی قیمت کی طرح ہے کہ وہ وکیل کے پاس اصل مالک کی امانت ہوتی ہے۔فضولی کے اس تصرف (فروخت) کی (مالک کی طرف سے) بعد میں توثیق درحقیقت وکالت ہی کی طرح ہے۔

فضولی کو یہ حق حاصل ہے کہ بیع کے معاہدے کو مالک کی اجازت سے پہلے فسخ کردے تا کہ وہ معاہدے کے حقوق اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکے، البتہ نکاح کے فضولی کو اس کا حق حاصل نہیں، کیونکہ وہاں اس کی حیثیت محض سفیر و مبلغ کی ہے، اسے فریق معاہدہ کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی، چنانچہ اگر وہ شوہر کی اجازت سے پہلے معاہدہ فسخ کرنا چاہے تو فسخ نہ ہوگا۔

(مالک کی طرف سے) توثیقِ معاہدہ اسی صورت میں درست ہے جب قیمتِ مبیع دین (یعنی درہم ودینار) کی صورت میں ہو۔اگر قیمت معین سامان (عروض) ہو تو توثیق اسی صورت میں درست ہوگی جب کہ وہ سامان باقی ہو۔ (الهداية ٣:٦٨-٦٩)

اگر اجازت دینے سے پہلے مالک کی موت واقع ہوگئی تو وارث کی توثیق سے بیع نافذ نہیں ہوگی، خواہ بیع ثمن ہو یا سامان، کیونکہ بیع مذکور مورث کی ذاتی منظوری پر موقوف تھی۔وہ کسی دوسرے شخص کی منظوری سے صحیح نہیں ہوسکتی۔اگر مالک نے اپنی زندگی میں منظوری دے دی، مگر اسے مبیع کی حالت کا علم نہ تھا (کہ باقی ہے، یا تلف ہو چکی ہے) تو امام ابویوسف کے پہلے قول کے

مطابق یہ بیع درست ہوگی۔ یہی امام محمد کی رائے ہے، کیونکہ چیز کی موجودگی اصل حالت ہے (تلف ہونا استثنائی امر ہے)۔ بعد میں امام ابو یوسف نے اپنی رائے سے رجوع کیا اور فرمایا کہ بیع اس وقت تک صحیح نہیں ہوگی جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو کہ منظوری دینے کے وقت مبیع قائم وموجود ہے، کیونکہ عدم علم کی صورت میں منظوری کی شرط مشکوک ہوگی تو شک کے ہوتے ہوئے منظوری درست نہیں ہوگی۔ (الهداية ۳: ۶۹)

جبر کے تحت خرید وفروخت

جس شخص کو کسی سودے پر ناحق مجبور کیا گیا ہو، اس کی بیع وشراء درست نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ وہ تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو'' (النساء ۴: ۲۹)۔

یہ (آیت) اس امر پہ دلالت کرتی ہے کہ اگر رضامندی نہ ہو تو (ایک دوسرے کا) مال کھانا جائز نہیں۔ ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: ''سودا باہمی رضامندی سے ہی ہوتا ہے''۔ اس سے ثابت ہوا کہ رضامندی کے بغیر بیع نہیں، نیز یہ اس لیے بھی درست نہیں کہ یہ ایک ایسا قول ہے جس پر وہ شخص ناحق مجبور کیا گیا ہے۔ جس طرح جبر کے تحت مسلمان سے کہلوایا گیا کلمۂ کفر درست نہیں، اسی طرح بیع بھی (جبر کے تحت) درست نہیں۔ (المجموع ۹: ۱۵۸)

ہم بیان کر چکے ہیں کہ جس شخص پر ناحق جبر کیا گیا ہو، اس کی بیع درست نہیں۔ یہ ہمارا مسلک ہے اور یہی مالکؒ، احمدؒ اور جمہورؒ کی رائے ہے۔ ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ معاہدہ صحیح ہے اور جبر ختم ہونے کے بعد آزادانہ مرضی کی حالت میں اس شخص کی منظوری پر موقوف ہے۔ ہمارے اصحاب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے میری امت کی غلطی، بھول چوک اور جبر کے تحت کیے گئے عمل کو معاف کر دیا ہے''۔ اس سلسلے میں ہمارے بعض اصحاب نے بعض ایسی روایات سے استدلال کیا ہے جن سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور کی بیع، غیر

یقینیت (غرر) کے سودوں اور پھلوں کے گدرانے سے پہلے ان کی بیع کی ممانعت فرمائی ہے۔ بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں پر ایسا وقت آئے گا جب ظلم وستم بڑھ جائے گا، مال دار شخص اپنے مال کو دانت سے پکڑے گا، حالانکہ اسے یہ حکم نہیں دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولا تنسوا الفضل بینکم (یعنی آپس میں اچھا برتاؤ کرنا، بھول نہ جانا)، اور مجبور لوگوں سے خرید وفروخت کی جائے گی، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور شخص کی بیع، غیر یقینی امور پر مشتمل سودے اور گدرانے سے پہلے پھل کی فروخت سے منع کیا ہے۔ (المجموع ۹: ۱۵۹)

ہارون آٹوز

پاک اسٹار موٹر سائیکل

Shop No.2, Ruby Arcade

A.M. 20, Akbar Road Karachi

Tel. 021-4214756

عالمِ اسلام کو ربیع الاول کی آمد مبارک ہو

(مجلس ادارت مجلّہ فقہ اسلامی)